باب# ۱۶۶

غزوہ بنی المصطلق

شعبان ۶ ہجری

دورِ نبوت کی عسکری تاریخ کا ایک غیر اہم غزوہ

جس نے منافقین کو رسوا کیا اور اسلامی معاشرت کی صورت گری کی

غزوہ بنی المصطلق کی اہمیت	۱۹۸
غزوہ بنی مصطلق میں منافقین کی شمولیت کا سبب	۱۹۹
جویریہؓ کے نکاح کا قیدیوں کی رہائی اور اُن کے قبولِ اسلام کا باعث بننا	۲۰۰
انفرادی جھگڑا، عصبیت کی جنگ میں تبدیل ہوتا ہے	۲۰۱
مدینہ سے ذلیل ترین آدمی کو نکالنے کی حقیقت	۲۰۳
عبداللہ بن ابی کو سزائے موت کی تجویز	۲۰۵
منافقین کا ایک اور شاخسانہ، واقعہ افک	۲۰۶
عصبیت کی پکار کے حقائق لوگوں کے سامنے آ گئے	۲۰۶
عزت کے مستحق کو عزت اور ذلت کے مستحق کو ذلت نصیب ہو گئی	۲۰۷

باب# ۱۶۶

غزوہ بنی المصطلق

شعبان ۶ ہجری

دفاعی اور عسکری لحاظ سے ایک غیر اہم مگر دینی اعتبار سے بدر کے بعد اہم ترین غزوہ

غزوہ بنی المصطلق کی اہمیت

یہ غزوہ جنگی نقطہٴ نظر سے کوئی بہت اہم غزوہ نہیں تھا مگر اس میں دو ایسے واقعات رُونما ہوئے جن کی وجہ سے مسلمانوں کے درمیان اضطراب اور آزمائش کا سامان ہوا۔ بظاہر کچھ وقت کے لیے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے قریبی رفقا آزردگی ہی کا شکار نہیں ہوئے بلکہ ایک ایسے دوراہے پر کھڑے کیے گئے کہ اگر اللہ کی رہ نمائی اور مدد نہ ہوتی تو صحیح راہ کا انتخاب ایک مشکل امر تھا۔ بظاہر یہ سارا شر نظر آرہا تھا، لیکن مسبب الاسباب رہتی دنیا تک کے لیے ایک بڑے خیر کا اہتمام فرما رہا تھا۔ اس غزوہ بنو مصطلق کے نتیجے میں منافقین شدید رسوائی کا شکار ہوئے، بنو قریظہ کی مانند کامل استیصال یا قریش کی مانند سب کو توفیقِ ایمان تو منافقین کی قسمت اور مَشِیَّتِ اِلٰہی میں نہ تھی لیکن اِن کی رسوائی کے ساتھ اِن کے طریقِ واردات اور اِن سے نبٹنے کے ذرائع سے مسلمانوں کو آگاہی کے لیے پوری ایک سورت، سُوۡرَۃُ الۡمُنٰفِقُوۡن مسلمانوں کو تحفے میں مل گئی اور ایسے قوانین بھی دینِ اسلام کا جزو بنے [سُوۡرَۃُ النُّوۡر] جس نے قیامت تک کے لیے مسلم معاشروں کو غیر مسلم معاشروں سے بالکل جداگانہ شکل عطا کردی۔

جیسا کہ قارئین پڑھ چکے ہیں کہ جنگِ خندق کے کچھ ماہ بعد ربیع الثانی ۶ ہجری میں مشرقی دشوار گزار اور طویل راستے پر جب صفوان کا تجارتی قافلہ جس کی قیادت دامادِ رسول [جو تا حال مسلمان نہیں تھے]، ابوالعاص کر رہے تھے زید بن حارثہؓ کے ہاتھوں تاراج ہوا تو قریش کو اپنا پُرانا بدر کے قریب سے گزرتا ہوا راستا یاد آیا، جو ہمیشہ اِن کا پسندیدہ راستا رہا تھا۔

بنو المصطلق قبیلہ بنی خزاعہ کی ایک شاخ تھی جو ساحل بحر احمر پر جدّے اور رابع کے درمیان قدید کے علاقے میں آباد تھی۔ اس قبیلے نے قریش کے اکسانے اور کچھ لالچ دلانے پر مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاریاں شروع کی ہوئی تھیں، اور دوسرے قبائل کو بھی مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لیے بھڑکا رہا تھا۔ مگر

معاملہ یہ تھا کہ خزاعہ کے دیگر قبائل، قریش کی نسبت رسول اللہ ﷺ سے زیادہ قریب اور ہمدردی کا تعلق رکھتے تھے۔ یہ خزاعہ ہی کا معبد بن ابی معبد خزاعی تھا جس نے بے نتیجہ جنگ چھوڑ کر قریش کی اُحد سے بھاگتی فوج کو جوُرک کر واپس مدینے پر حملہ کرنے کا ارادہ کر رہی تھی، اہلِ مدینہ کے تعاقب سے ڈرایا تھا اور حقیقت سے کوسوں دور قریش کے روبرو پیچھے آنے والے ایک ایسے لشکرِ جرار کا نقشہ کھینچا تھا کہ وہ ڈر گئے اور مدینے پر دوبارہ حملہ کرنے سے باز آگئے۔ [تفصیلات دیکھیے باب ۱۴۵، جلد دہم صفحہ ۱۷۵]

خزاعہ کے دیگر قبائل کی رسول اللہ ﷺ سے ہم دردی اور قریش سے پُر خاش کی بنا پر قریش اور بنو مصطلق کے گٹھ جوڑ کی اطلاع آپ کو ہو گئی۔ اِس صورتِ حال کا رسول اللہ ﷺ کو جب علم ہوا تو آپ نے تحقیقات کے لیے بریدہ بن حصیب اسلمیؓ کو روانہ کیا، انہوں نے واپس آکر خبر کی تصدیق کی۔ اسی اثنا میں بنو مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار نے اسلامی لشکر کی خبر لانے کے لیے ایک جاسوس بھیجا جو مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہو کر قتل ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کا انتظام زید بن حارثہ کو سونپا اور صحابہ کو تیاری کا حکم دیا۔ خبر ملنے کے ٹھیک آٹھ روز بعد اوائل شعبان سنہ ۶ ہجری کو فوجیں مدینہ سے روانہ ہوئیں فوج میں صحابہ کی تعداد یقیناً سات سو سے زائد رہی ہو گی۔ اس مہم میں رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی بھی اپنی پوری ٹیم لے کر آپ کا ہم سفر تھا۔

غزوہ بنی مصطلق میں منافقین کی شمولیت کا سبب

قارئین کو یاد ہو گا کہ اُحد (شوال ۳ ہجری) میں بن ابی اپنے تین سو لوگوں کو لے کر ایک سازش کے تحت الگ ہوا تھا، بدرِ ثانی (شوال ۴ ہجری) میں منافقین نے سوچا ہو گا کہ مرنے دو مسلمانوں کو؛ اُحد سے ہم بھاگے تو ہمارا کیا بگاڑ لیا، چناں چہ یہ لوگ مہم میں شریک نہیں ہوئے۔ بدرِ ثانی کے موقع پر مسلمانوں کی توقع کے مطابق قریش پیٹھ دکھا گئے اور مسلمانوں نے جو اپنے ساتھ تجارت کی تیّاری سے گئے تھے خوب کمایا۔ مسلمانوں کی اس کمائی اور خوش قسمتی سے ظاہر ہے منافقین کو سوائے دل کی جلن اور حسد کے کچھ نہ ملا۔

جنگِ خندق میں سارے حجاز کی مشترکہ فوج کے بے نیل و مرام بھاگ جانے اور اُس کے بعد بنو قریظہ کے سینکڑوں غدّاروں کی ایک ہی دن میں سزائے موت نے تمام عرب کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ قریش اور یہود دونوں کی پسپائی کو دیکھ کر منافقین اپنی زندگیوں میں اسلام کے خلاف کسی بھی نوع کی کامیابی سے مایوس ہو گئے۔ جس طرح

بدر کی فتح (رمضان ۲ ہجری) نے عبداللہ بن ابی سمیت اُن تمام منافقین کو جو ابھی تک ایمان نہیں لائے تھے، ایمان کا جھوٹا ہی سہی لیکن اپنے ایمان کے اعلان پر مجبور کر دیا تھا، اسی طور اب منافقین کو رسول اللہ ﷺ کی بے چون وچرا اطاعت پر مجبور ہونا پڑا تھا، اور اُنھیں یہ قوی گمان بھی تھا کہ بنو مصطلق سے جنگ پر جانے میں بڑا مالِ غنیمت ہاتھ لگے گا۔ اُن کا یہ خیال اس بنیاد پر تھا کہ جب قریش، غطفان اور یہود جیسی بڑی طاقتیں مسلمانوں کے آگے سرنگوں ہو گئیں تو بنو مصطلق تو چہ پدی اور چہ پدی کا شوربہ کے مصداق ہیں، پس وہ کچھ غنیمت کے لالچ میں اور کچھ اطاعت شعاری دکھانے کے ڈرامے میں اتنی کثرت سے اس غزوے میں آپ کے ہم سفر ہوئے کہ ابن سعد کے بیان کے مطابق اس سے پہلے کسی جنگ میں منافقین اس کثرت سے شامل نہ ہوئے تھے۔

بنی مصطلق، مریسیع نامی ایک چشمے پر آباد تھے، چشمے کے نام پر یہ علاقہ بھی اس نام سے مشہور تھا اور اسی لیے بعض مورخین اس غزوے کو غزوہ مریسیع بھی کہتے ہیں۔ یہی وہ مقام تھا جہاں قبیلہ بنی مصطلق کے ساتھ مسلمان لشکر کا ٹکراؤ ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کی صف بندی کی۔ مہاجرین سمیت پورے لشکر کے عَلم بردار ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے، انصار کا عَلم سعد بن عبادہؓ کے ہاتھ میں تھا دونوں لشکروں میں تیروں کا تبادلہ ہوا۔ جس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے حکم سے صحابہ کرام نے یکبارگی حملہ کیا۔ اور دشمن کو مغلوب کر لیا۔ مشرکین نے شکست کھائی اُن کے دس افراد مارے گئے۔ اپنا علاقہ چھوڑ کر فرار ہوئے تو اُن کے علاقے میں موجود دو ہزار اونٹ، پانچ ہزار بھیڑیں مال غنیمت کے طور پر ملیں اور دو سو (بعض روایات کے مطابق سات سو) قیدی بھی ہوئے جن میں عورتیں اور بچے شامل تھے۔ تمام چیزوں اور اسیرانِ جنگ کو اہلِ لشکر میں تقسیم کر دیا گیا۔

جویریہؓ کے نکاح کا قیدیوں کی رہائی اور اُن کے قبولِ اسلام کا باعث بننا

قیدی بنائی جانے والی عورتوں میں برہ (جویریہؓ) بھی تھیں جو قبیلہ کے سردار حارث بن ابی ضرار کی بیٹی تھیں۔ قیدی بن کر یہ ثابت ابن قیسؓ کے حصے میں آئی تھین۔ ان سے انہوں نے کہا کہ میں تمھیں فدیہ دے کر آزاد ہونا چاہتی ہوں بات طے ہو گئی، مگر ان کے پاس پیسے نہیں تھے اور وہ کسی طور پیسوں کا انتظام کرنا چاہتی تھیں، رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئیں اپنا تعارف کروایا اور ان سے فدیہ کی رقم کے انتظام کے سلسلے میں مدد طلب کی۔ آپ نے رقم فدیہ ادا کر دی اور یوں وہ اب نبی ﷺ کی کنیز تھیں، انھی اوقات میں جویریہ رضی اللہ عنہا کا باپ (حارث) جو رئیس عرب تھا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ میری بیٹی کنیز نہیں بن سکتی، یہ

میری شان سے بالاتر ہے میں اپنے قبیلے کا سردار اور رئیس عرب ہوں آپؐ اس کو آزاد کر دیں، آپؐ نے فرمایا کہ کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ جویریہؓ کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے، حارث نے جا کر جویریہؓ سے کہا کہ محمد (ﷺ) نے تیری مرضی پر رکھا ہے دیکھنا مجھ کو رسوا نہ کرنا، انہوں نے کہا "میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہنا پسند کرتی ہوں۔" جویریہ رضی اللہ عنہا کے والد نے ان کا زرِ فدیہ ادا کیا اور جب وہ آزاد ہو گئیں تو آپؐ نے ان سے نکاح کر لیا۔ جویریہ رضی اللہ عنہا کا نام قبول اسلام سے قبل برہ تھا، آپؐ نے اسے تبدیل کر کے جویریہؓ رکھا کیوں کہ برہ میں بدفالی تھی۔ نبی اکرم ﷺ ایسے ناموں کو ناپسند فرماتے تھے جن سے بُرے یا مشرکانہ معانی برآمد ہوں۔

جوں ہی جویریہؓ اُم المؤمنین بن گئیں تو اس رشتے کی بنا پر تمام مسلمانوں نے اپنے تمام کے تمام کئی سو قیدیوں کو فدیہ لیے بغیر ہی رہا کر دیا کہ اب یہ تمام قیدی اُمّ المؤمنین کے قرابت دار تھے۔ اس حسنِ سلوک کی وجہ سے تمام افراد مسلمان ہو گئے اور اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے کسی عورت کو جویریہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر اپنی قوم کے حق میں مبارک نہیں دیکھا، ان کے سبب سے بنو مصطلق کے سینکڑوں گھرانے آزاد کر دیے گئے۔

آپ ﷺ کو ان سے بڑا تعلق تھا۔ ایک مرتبہ آکر پوچھا کہ "کچھ کھانے کو ہے؟" جواب ملا۔ "میری کنیز کو صدقہ کا گوشت ملا تھا جو اُس نے مجھے دیا تھا وہی رکھا ہے، اس کے سوا اور کچھ نہیں" فرمایا "اسے اٹھا لاؤ، کیوں کہ صدقہ جس کو دیا گیا تھا اس کو پہنچ چکا۔"

جویریہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح اپنے ہی قبیلہ میں مسافع بن صفوان (ذی شفر) سے ہوا تھا۔ آپ سے متعدد احادیث نبوی مروی ہیں جن میں سے ۷ احادیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ علاوہ ازیں امام ابو داؤد، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ نے بھی مختلف دیگر اسناد سے آپ سے احادیث نبوی کو روایت کیا ہے۔

انفرادی جھگڑا، عصبیت کی جنگ میں تبدیل ہوتا ہے

قارئین دیکھ سکتے ہیں کہ یہ غزوہ بنی المصطلق، جنگی اعتبار سے ہرگز کوئی اہمیت نہیں رکھتا، بنو مصطلق کے بیشتر افرد کے بھاگ جانے اور مالِ غنیمت کے ہاتھ آنے کے بعد ابھی لشکر اسلام مریسیع کے چشمہ پر ہی ٹھہرا ہوا تھا کہ دو افراد کے درمیان ناگہاں ایک ایسا جھگڑا ہو گیا، جس نے رسول اللہ کی معیت میں ہونے والے اس سفر [غزوہ] کو تاریخِ اسلام میں پہلے پانچ غزوات میں شمار کرا دیا، اور یہاں ہونے والے ایک جھگڑے کی تفصیل تا قیامت تلاوت کیے جانے کے لیے قرآن میں ثبت ہو گئی۔ غزوات کی کل تعداد ۳۰ ہے، اِن میں صرف آٹھ

غزوات ایسے ہیں کہ جن کے دوران ہونے والے کسی معاملے کا تذکرہ قرآن مجید میں آیا ہے۔ بدر، اُحد، بنو نضیر، خندق، بنو قریظہ، بنو المصطلق، تبوک اور حنین۔

مذکورہ جھگڑا اسیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ملازم، جہجاہ بن مسعود غِفاری اور ایک خزرج کے حلیف انصاری، سنان بن وَبَرا الجہنی کے درمیان پانی کے کنویں پر کسی بات پر ہو گیا تھا۔ بات زبانی تکرار سے گزر کر مار پٹائی تک آگئی اور جہجاہ نے سنان کو ایک لات مار دی جسے انصار اپنی روایات کے مطابق بڑی توہین و حقارت کی علامت جانتے تھے۔ سنان نے انصار کو مدد کے لیے پکارا 'یا معشہ الانصار' اور جہجاہ نے اسی طور مہاجرین کو بلالیا۔ عبد اللہ بن ابی نے اس جھگڑے کی خبر سنتے ہی انصار کو اُکسایا کہ اپنے حلیف کی مدد کے لیے دوڑیں۔ دونوں جانب سے کچھ جوشیلے لوگ نکل آئے، ممکن تھا کہ انفرادی جھگڑا، عصبیت کی جنگ کا رنگ اختیار کر لیتا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ شور سن کر نکل آئے اور آپ نے فرمایا "ما بالُ دعوی الجاهلية؟ مالكم ولدعوة الجاهلية؟ دعوها فانها مُنْتِنَة"۔ یہ جاہلیت کی پکار کیسی؟ تم لوگ کہاں اور یہ جاہلیت کی پکار کہاں؟ اسے چھوڑ دو، یہ بڑی گندی چیز ہے ۱ "۔ اس پر دونوں طرف کے سمجھ دار اور بااثر لوگوں نے آگے بڑھ کر معاملہ رفع دفع کروادیا اور

---

۱ یہ ایک بڑی اہم بات ہے جو اس موقع پر رسول اللہؐ نے ارشاد فرمائی۔ اسلام کی صحیح روح کو سمجھنے کے لیے اسے ٹھیک سمجھ لینا ضروری ہے۔ اسلام کا طریقہ یہ ہے کہ دو آدمی اگر اپنے جھگڑے میں لوگوں کو مدد کے لیے پکارنا چاہیں تو وہ کہیں: مسلمانو، آؤ اور ہماری مدد کرو، یا یہ کہ لوگو ہماری مدد کے لیے آؤ۔ لیکن اگر ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے قبیلے، یا برادری، یا نسل و رنگ، یا علاقے کے نام پر لوگوں کو پکارتا ہے تو یہ جاہلیت کی پکار ہے، اور اس پکار پر لبیک کہہ کر آنے والے اگر یہ نہیں دیکھتے کہ ظالم کون ہے اور مظلوم کون، اور حق وانصاف کی بنا پر مظلوم کی حمایت کرنے کے بجائے اپنے اپنے گروہ کے آدمی کی حمایت میں ایک دوسرے سے برسرپیکار ہو جاتے ہیں تو یہ جاہلیت کا فعل ہے جس سے دنیا میں فساد برپا ہوتا ہے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے گندی اور گھناؤنی چیز قرار دیا اور مسلمانوں سے فرمایا کہ تمھارا اس جاہلیت کی پکار سے کیا واسطہ؟ تم اسلام کی بنیاد پر ایک ملت بنے تھے، اب یہ انصار اور مہاجر کے نام پر تمھیں کیسے پکارا جا رہا ہے، اور اس پکار پر تم کہاں دوڑے جا رہے ہو؟ علامہ سُہیلی نے روض الانف میں لکھا ہے کہ فقہائے اسلام نے کسی جھگڑے یا اختلاف میں جاہلیت کی پکار بلند کرنے کو ایک فوج داری جرم قرار دیا ہے۔ ایک گروہ اس کی سزا پچاس ضرب تازیانہ قرار دیتا ہے۔ دوسرا گروہ دس ضرب تجویز کرتا ہے، اور تیسرا گروہ کہتا ہے کہ اس کی سزا حالات کی مناسبت سے دی جانی چاہیے۔ بعض حالات میں صرف زجر و توبیخ کافی ہے، بعض دوسرے حالات میں ایسی پکار بلند کرنے والے کو قید کرنا چاہیے، اور اگر یہ زیادہ شر انگیز ہو تو اس کے مرتکب کو سزائے تازیانہ دینی چاہیے۔ (حاشیہ ــ، سورۂ نور، تفہیم القرآن)

معافی تلافی کے ساتھ لڑنے والے دونوں افرداد کی آپس میں صلح کروادی۔اس صلح صفائی نے منافقین کے ہاتھوں لگے ،فساد مچانے کے ایک نادر موقع کواُس کی بالکل ابتدا ہی میں ضائع کر دیا۔

مدینہ سے ذلیل ترین آدمی کو نکالنے کی حقیقت

منافقین ٹوٹے ہوئے دلوں کے ساتھ اپنے سردار عبداللہ بن ابی کے پاس پہنچے اور جلتی پر تیل ڈالنے کے لیے اُس کو یوں بھڑکایا ''اب تک تو تم سے امیدیں وابستہ تھیں کہ تم اپنی قوم کے محافظ رہو گے، مگر اب معلوم ہوتا ہے کہ تم ہمارے مقابلے میں ان کنگلوں (مدینے میں مقیم بے خانماں اور وسائل سے تہی، قریشی مسلمان؛ مہاجرین) کے محافظ بن گئے ہو''۔ عبداللہ ابن ابی پہلے ہی کھول رہا تھا۔یہ سن کر وہ بھڑک اٹھا اور کہنے لگا'' یہ سب کچھ ہمارا اپنا ہی کیا دھرا ہے۔ہم نے ان لوگوں کو اپنے علاقے میں پناہ دی،ان پر اپنے مال تقسیم کیے،نوبت یہ ہے کہ اب یہ طاقت پا کر خود ہمارے مقابلے پر آ گئے ہیں۔پُرکھوں (گزرے ہوئے آباواجداد) کی کہی ایک مثال تو اب ہماری اور قریش کے اِن کنگلوں (مکہ سے آئے ہوئے اصحاب محمد ﷺ کی جانب اشارہ ہے) پر صادق آتی ہے کہ "اپنے کتے کو کھلا پلا کر موٹا کرتا کہ تجھی کو پھاڑ کھائے۔" تم لوگ ان کو دینے دلانے سے ہاتھ روک لو تو یہ چلتے پھرتے نظر آئیں گے۔اللہ کی قسم! مدینے واپس پہنچ کر ہمارے درمیان سے معزز ترین آدمی [بزعمِ خود اپنی طرف اشارہ کر رہا ہے]، ذلیل ترین آدمی کو نکال باہر کرے گا۔

ایک کم عمر انصاری لڑکا زید بن ارقمؓ بھی اس مجلس میں موجود تھا، باوجود کم عمری کے سمجھدار اور مخلص مومن بھی تھا، سمجھدار اِن معنوں میں کہ ایمان اور اُس کے مطالبوں کا فہم بھی تھا اور منافقین کے کردار کا بھی اُسے ادراک تھا۔اُس نے یہ باتیں سن کر اپنے چچا عبداللہ بن رواحہؓ سے ان کا ذکر کیا تاکہ وہ رسول اللہ ﷺ کو اِن منافقین کی خباثتوں سے آگاہ کریں۔ عبداللہ بن رواحہؓ نے جو انصار کے رئیسوں میں سے ایک تھے، جا کر رسول اللہ ﷺ کے سامنے زید کی بیان کی ہوئی منافقین کی مجلس کی روداد بیان کر دی۔ نبی اکرمؐ نے زید کو بلا کر پوری بات دریافت کی تو اُس کے کانوں نے جو کچھ سنا تھا، اپنی زبان سے بغیر کسی کمی بیشی کے دہرا دیا۔رسولِ اکرمؐ بات کو بڑھانا نہیں چاہتے تھے چناں چہ آپؐ نے فرمایا شاید تم عبداللہ ابن ابی سے ناراض ہو، ممکن ہے تم سے سننے میں کچھ غلطی ہو گئی ہو، ممکن ہے تمھیں شبہ ہو گیا ہو کہ ابن ابی یہ کہہ رہا ہے۔ مگر زیدؓ نے پورے اعتماد سے کہا کہ نہیں یارسول اللہؐ، اللہ کی قسم میں نے اس کو یہی کچھ بولتے سنا ہے۔

اس پر رسول اللہؐ نے جب عبد اللہ بن ابی کو بلا کر پوچھا تو اُس نے صاف انکار کر دیا اور جھوٹی قسمیں کھانے لگا کہ میں نے یہ باتیں ہر گز نہیں کہیں۔ انصار کے لوگوں [میں سے جو بات کو بس رفع دفع کرنا چاہتے تھے اور وہ بھی جو منافق تھے] نے کہا کہ یا رسول اللہؐ، بچے کی بات ہے۔ شاید اسے وہم ہو گیا ہو۔ یہ ہمارا بزرگ شیخ ہے۔ اس کے مقابلے میں ایک [چھوٹے نا سمجھ] لڑکے کی بات کا اعتبار نہ فرمائیے۔ قبیلے کے بڑوں نے بھی زید کو ملامت کی اور وہ بیچارے اس طرح سچے ہونے کے باوجود جھوٹے بن جانے پر اداس اور کبیدہ خاطر ہو کر سب سے علیحدہ ہو کر اپنی ہی سوچوں میں گم ہو گئے۔ روح الامین جب یہ دو آیات لے کر تشریف لائے تو سارا معاملہ کھل گیا:

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۷﴾ يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۸﴾ سُوْرَةُ الْمُنٰفِقُوْن

ترجمہ: "یہ وہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ رسول کے ساتھ چلنے والوں پر خرچ کرنا بند کر دو تاکہ یہ منتشر ہو جائیں۔ اور آسمانوں اور زمین کے خزانوں کا مالک اللہ ہی ہے، مگر یہ منافق سمجھتے نہیں ہیں۔ یقیناً انہوں نے کہا کہ ہم مدینے واپس پہنچ جائیں تو جو عزت والا ہے وہ ذلیل کو وہاں سے نکال باہر کرے گا۔ سنو عزت تو صرف اللہ اور اس کے رسولؐ اور مومنین کے لیے ہے، مگر یہ منافق جانتے نہیں ہیں۔" ع

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں نے عبد اللہ بن ابی کی یہ باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچائیں، اور وہ پیش ہونے پر صاف مکر گیا اور اپنی بات پر قسم تک کھا گیا، تو انصار کے بڑوں نے اور خود میرے اپنے چچا نے مجھے [غلط الزام لگانے پر] بہت ملامت کی، یہاں تک کہ مجھے یہ محسوس ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مجھے جھوٹا اور عبد اللہ بن ابی کو سچا سمجھ رہے ہیں۔ اس چیز سے مجھے ایسا غم لاحق ہوا جو پہلے کبھی نہیں ہوا تھا، اور میں رنجیدہ ہو کر اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ پھر جب یہ آیت نازل ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلا کر ہنستے ہوئے میرا کان پکڑا اور کہا کہ لڑکے کا کان سچا تھا، اللہ نے اس کی خود تصدیق فرما دی (ابن جریر)

حقیقت یہ ہے کہ نزولِ آیات سے قبل ہی عبد اللہ بن ابی کے بیان پر سوائے کچھ سادہ دل لوگوں کے تمام سمجھ دار صاحبان ایمان جان گئے تھے کہ زید سچا ہے اور عبد اللہ بن ابی فسادی ہے، اُس سے ایسی ہی فضول باتوں کی امید کی جا سکتی تھی، لیکن رفع شر کے لیے اور بات کو بڑھانے سے بچانے کے لیے اللہ کے رسولؐ اور آپ کے اصحاب نے ایک مثبت روّیہ اختیار کیا مگر اللہ کی حکمت ظاہر ہوئی کہ بہت ہو چکا اب اِن سے مداہنت کی ضرورت

نہیں،اور اللہ نے منافقین کے طرزِ عمل کو کھول کر بیان کر دینے والی ایک پوری سورت نازل فرمادی، جسے آپ اگلے باب کے بعد مطالعہ فرمائیں گے۔

عبداللہ بن ابی کو سزائے موت کی تجویز

مخالفین اور معاندین اسلام پر اپنی سختی میں مشہور عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو جب اس معاملے کا علم ہوا تو انہوں نے کہا کہ یارسول اللہؐ، مجھے اجازت دیجیے کہ اس منافق کی گردن اڑادوں۔ یا اگر مجھ سے اس لیے یہ کام لینا مناسب نہیں فرماتے کہ میں مہاجر ہوں اور میرے ہاتھوں اس کے مارے جانے سے فتنے کا سامان ہوگا تو خود انصار ہی میں سے عبّاد بن بشر (یا معاذ بن جبل یا محمد بن مسلمہ) کو حکم دیجیے کہ وہ اسے قتل کردیں "۔ مگر رسول اللہؐ نے فرمایا: فکیف یاعمر اذا تحدث الناس ان محمد ایقتل اصحابہ یعنی، عمر، یہ کیسے مناسب رہے گا دنیا کیا کہے گی کہ محمدؐ خود اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کر رہا ہے۔ آپ نے عمرؓ سے مزید کہا: 'نہیں بلکہ تم کوچ کا اعلان کردو'۔

یہ ایسا وقت تھا جس میں آپ کوچ نہیں فرمایا کرتے تھے۔۔ عبداللہ بن اُبی کے بیٹے عبد اللہ نیک سیرت اور مخلص صاحبانِ ایمان میں سے تھے، انھوں نے جب اپنے والد کے لیے قتل کی سزا کی تجویز سُنی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ! آپ اگر اُسے قتل کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں تو مجھے فرمایئے گا اللہ کی قسم میں اس کا سر آپ کی خدمت میں حاضر کردوں گا، کسی دوسرے کے ہاتھوں اپنے باپ کا قتل مجھے ناگوار ہوگا۔

کارواں روانہ ہوا تو اُسید بن حُضَیرؓ آپؐ کے پاس آئے اور سلام کے بعد دریافت کیا کہ یارسول اللہؐ، آج آپؐ نے ایسے وقت کوچ کا کیوں حکم دیا جو کوچ کے لیے موزوں نہ تھا؟ اور آپؐ تو کبھی ایسے وقت میں سفر کا آغاز نہیں فرمایا کرتے تھے! آپؐ نے کہا کہ تمھارے صاحب نے جو کچھ کہا ہے تمھیں اس کی بھی کچھ خبر ہے؟ انھوں نے حیرت سے سوال کیا کہ کس نے کیا کہہ دیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ عبداللہ بن ابی نے، اُس کا خیال ہے کہ وہ مدینہ واپس ہوا تو معزز ترین آدمی ذلیل ترین آدمی کو مدینہ سے نکال باہر کرے گا! انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ اگر چاہیں تو اسے مدینے سے نکال باہر کریں۔ اللہ کی قسم! وہ ذلیل ہے اور آپؐ عزت والے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ! اس کے ساتھ نرمی برتیے، کیوں کہ واللہ! اللہ تعالیٰ آپؐ کو ہمارے پاس اُس وقت لے آیا جب اُس کی قوم اُس کی رسمِ تاجپوشی کے لیے تاج تیار کر رہی تھی۔ اس لیے اب وہ سمجھتا ہے کہ آپؐ نے اُس سے اُس کی حکومت و اقتدار کو چھین لیا ہے (وہ اپنی ایمانی کم زوری

اور دنیاوی محرومی کے باعث نفسیاتی معذور ہے)۔

پھر آپؐ شام تک پورا دن اور پھر رُکے بغیر ساری رات صبح تک، اور پھر اگلے دن مزید اُس وقت تک آپؐ نے سفر کو جاری رکھا کہ دھوپ چبھنے لگی۔ کم و بیش تیس گھنٹے کے مسلسل سفر کے بعد جب آپؐ نے پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا تو لوگ زمین پر لیٹتے ہی بے خبر سو گئے۔ آپؐ کا مقصد بھی یہی تھا کہ لوگوں کے ذہن سے وہ واقعہ اور اُس کا تکدر محو ہو جائے۔ شدید تھکن اور نیند نے یہی کام کیا اور آرام ملنے سے تازہ دم اور خوش باش ہو گئے۔

منافقین کا ایک اور شاخسانہ، واقعہ افک

نیند سے فارغ ہو کر لوگ اُٹھے، جو بھی مُیَسّر تھا کھایا پیا نمازیں ادا کیں، قافلے کو کوچ کا حکم مل گیا۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار کہیں قریبی جگہ میں آتے جاتے کھو گیا تھا جسے آپ ڈھونڈنے گئی ہوئی تھیں، جس اونٹ پر آپ سوار تھیں، اُس کے ساربان نے جانا کہ شاید آپ اندر ہودے میں بیٹھی ہیں قافلہ روانہ ہو گیا۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا واپس آئیں تو قافلہ جا چکا تھا، آپ وہیں بیٹھ گئیں، نیند آگئی اور سو گئیں۔ صفوانؓ جو پیچھے رہ جانے والی چیزوں کی دیکھ بھال پر متعین تھے انھوں نے جو اُمّ المؤمنین کو دیکھا تو اُنھیں ادب سے اپنے اونٹ پر بٹھا کر مہار پکڑے قافلے تک پہنچا دیا۔ وہاں گندی ذہنیت والے منافقین نے مزے لینے اور دینِ اسلام کے داعی اور اُس کی بیوی کو بدنام کرنے کے لیے اِن دونوں آنے والوں پر ایک بڑا بہتان (افک عظیم) لگا دیا، اور اپنی چھوڑی ہوئی پھلجھڑی کو دیکھ کر قہقہے لگانے لگے۔ اِس بہتان کے شہر میں چرچے ہوئے، ایک پریشانی رہی، آخر کار اللہ تعالیٰ نے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی کو اعلان کرنے والی سُوْرَةُ النُّوْر کی آیات ۱۱ تا ۲۳ نازل فرمادیں، پھر مختصر سے عرصے میں چھ مزید خطبات آگے پیچھے نازل ہوئے، جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سُوْرَةُ النُّوْر میں رقم کرا دیا۔ اس واقعہ افک کی تفصیلات ہم باب ۱۶۹ میں اور اِس پر قرآن کا بیانیہ یعنی سورہ نور کو باب ۱۷۰ میں مطالعہ کر سکیں گے۔ فی الوقت ہم مریسیع کے کنویں پر ہونے والے جھگڑے اور وہاں عصبیت کے نعرے اور عبداللہ بن ابی کی موشگافیوں کے نتائج پر بتوفیق الٰہی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے اس باب کو ختم کریں گے۔

عصبیت کی پکار کے حقائق لوگوں کے سامنے آگئے

کنویں پر جھگڑے کی حقیقت، مجلس منافقین میں عبداللہ بن ابی کی گفتگو، زیدؓ کے بیان کی تصدیق میں آنے

والی آیات مبارکہ، رئیسِ انصار اُسید بن حضیرؓ کی جانب سے بن ابی کے ذلیل ہونے کی تصدیق، اللہ کے پیغمبر کی جانب سے بن ابی کے قتل کی تجویز کو فی الاصل غلط نہ کہنے کے بجائے لوگوں کے جذبات کے خیال رکھنے کی بات اور پھر بیٹے کی جانب سے باپ کو قتل کرنے کی پیش کش؛ یہ تمام باتیں تمام اہلِ ایمان تک پہنچ گئیں، خصوصاً انصار میں تو ابن ابی کے خلاف سخت غصہ پیدا ہو گیا۔ چوں کہ انصار تو وہ تھے جنھوں نے اللہ کے رسولؐ کو مدینے آنے کی دعوت دی تھی اور اُن پر آگے سے اور پیچھے سے، دائیں سے اور بائیں سے قربان ہو جانے کا وعدہ کیا تھا اور میدانِ اُحد میں اُس وعدے کی صداقت پر گواہی ثبت کی تھی۔ وہ اپنے ہی ایک بدتمیز آدمی سے کیوں کر اپنے مہمان کی توہین برداشت کرتے، اور ایسے مہمان کی، جس کی رسالت پر وہ ایمان لائے تھے۔ انصار کے لوگوں نے ابن ابی سے کہا کہ جا کر رسول اللہ ﷺ سے معافی مانگو مگر اس نے تڑخ کر جواب دیا:

" تم نے کہا کہ اِن پر ایمان لاؤ۔ میں ایمان لے آیا، تم نے کہا کہ اپنے مال کی زکوٰۃ دو۔ میں نے زکوٰۃ بھی دے دی، اب بس یہ کسر رہ گئی ہے کہ میں محمدؐ کو سجدہ کروں"۔

عزت کے مستحق کو عزت اور ذلت کے مستحق کو ذلت نصیب ہو گئی

بن ابی کی ان بے ہودہ باتوں سے انصار کے دونوں قبیلوں میں اُس کے خلاف جذبات بھڑک اُٹھے، اگر صاحب الصلوٰۃ والسّلام، محمد ﷺ کی تربیت نہ ہوتی اور قبل از اسلام کی جاہلیت کا دور دورہ ہوتا تو وہ اوس تو درکنار خزرج اور خزرج تو دور کی بات ہے خود اپنے گھر کے لوگوں کے ہاتھوں مارا جا چکا ہوتا، ہر طرف سے اس پر تھو تھو ہونے لگا اور پھٹکار پڑنے لگی۔ جب یہ قافلہ مدینہ طیبہ میں داخل ہونے لگا تو کوئی اور نہیں منافقِ اعظم کا اپنا بیٹا عبداللہؓ ننگی تلوار سونت کر اپنے باپ کے آگے کھڑا کہہ رہا تھا:

"تم نے کہا تھا کہ مدینہ واپس پہنچ کر عزت والا ذلیل کو نکال دے گا، اب تجھ کو معلوم ہو جائے گا کہ عزت تیری ہے یا اللہ اور اس کے رسولؐ کی، اللہ کی قسم، تم مدینہ میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک رسول اللہ ﷺ تمھیں اجازت نہ دے دیں"۔

اس پر ابن ابی چیخ اٹھا، " خزرج کے لوگو! ذرا دیکھو، میرا بیٹا ہی مجھے مدینہ میں داخل ہونے سے روک رہا ہے"۔ لوگوں نے اِس صورتِ حال کی اطلاع رسول اللہؐ تک پہنچائی، آپؐ نے فرمایا کہ عبداللہؓ سے کہو کہ اپنے باپ کو گھر جانے دے۔ عبداللہؓ نے اپنے باپ سے کہا کہ جب اُن کا حکم آ گیا ہے تو پھر تم شہر میں داخل ہو

سکتے ہو۔ رسول اللہؐ نے عمر بن الخطابؓ سے پوچھا، کیوں عمرؓ اب تمھارا کیا خیال ہے؟ جس وقت تم نے کہا تھا کہ مجھے اس کو قتل کرنے کی اجازت دیجیے اس وقت اگر تم کو اجازت دے دی جاتی اور تم اسے قتل کر دیتے تو بہت سے لوگوں میں بے چینی پھیل جاتی۔ آج اگر میں اس کے قتل کا حکم دوں تو اسے قتل تک کیا جاسکتا ہے۔ عمرؓ نے کہا کہ واللہ! مجھے اب معلوم ہو گیا کہ اللہ کے رسولؐ کی بات میری بات سے زیادہ حکمت والی تھی [2]۔

غزوہ بنی المُصطَلِق سنہ ۵ ہجری میں واقع ہوا یا ۶ ہجری میں

مفسرین کے درمیان یہ بات متفق علیہ ہے کہ سُوْرَۃُ الْمُنٰفِقُوْن اور سُوْرَۃُ النُّوْر، غزوہ بنی الْمُصْطَلِق کے بعد یکے بعد دیگرے نازل ہوئی ہیں۔ دونوں سورتوں کے مضامین سے بھی ظاہر ہے کہ اِن دونوں سورتوں کا نزول غزوہ بنی الْمُصْطَلِق کے سفر میں درپیش حادثات سے متعلق ہے۔ لیکن اہلِ علم کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ یہ غزوہ خندق (غزوہ احزاب) سے پہلے شعبان ۵ ہجری میں ہوا تھا یا اس کے بعد شعبان ۶ ہجری میں۔ دونوں میں سے کسی ایک تاریخ کو مان لینے سے واقعات اور مضامینِ قرآن مجید کے درمیان ربط کو بیان کرنا مثبت یا منفی طور پر متاثر ہوتا ہے۔ رحیق المختوم میں اس کو مصنف نے ۵ ہجری میں مانا ہے، اُن کے پیش کردہ دلائل ہم نقل کر رہے ہیں:

> یہ غزوہ --- عام اہل سیر کے بقول شعبان ۵ھ میں اور ابن اسحاق کے بقول ۶ھ میں پیش آیا۔ اس کی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ اسی غزوہ سے واپسی میں افک (عائشہؓ پر جھوٹی تہمت لگائے جانے) کا واقعہ پیش آیا۔ اور معلوم ہے کہ یہ واقعہ زینب رضی اللہ عنہا سے نبی ﷺ کی شادی اور مسلمان عورتوں کے لیے پردے کا حکم نازل ہو چکنے کے بعد

---

۲ اس سے دو اہم شرعی مسئلوں پر روشنی پڑتی ہے۔ ایک یہ کہ جو طرزِ عمل ابن ابی نے اختیار کیا تھا، اگر کوئی شخص مسلم ملت میں رہتے ہوئے اس طرح کا رویہ اختیار کرے تو وہ قتل کا مستحق ہے۔ دوسرے یہ کہ محض قانوناً کسی شخص کے مستحق قتل ہو جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ضرور اسے قتل ہی کر دیا جائے۔ ایسے کسی فیصلے سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ آیا اس کا قتل کسی عظیم تر فتنے کا موجب تو نہ بن جائے گا۔ حالات سے آنکھیں بند کر کے قانون کا اندھا دھند استعمال بعض اوقات اس مقصد کے خلاف بالکل اُلٹا نتیجہ پیدا کر دیتا ہے جس کے لیے قانون استعمال کیا جاتا ہے۔ اگر ایک منافق اور مفسد آدمی کے پیچھے کوئی قابل لحاظ سیاسی طاقت موجود ہو تو اسے سزا دے کر مزید فتنوں کو سر اٹھانے کا موقع دینے سے بہتر یہ ہے کہ حکمت اور تدبر کے ساتھ اس اصل سیاسی طاقت کا استیصال کر دیا جائے جس کے بل پر وہ شرارت کر رہا ہو۔ یہی مصلحت تھی جس کی بنا پر حضورؐ نے عبداللہ بن ابی کو اس وقت بھی سزا نہ دی جب آپ اسے سزا دینے پر قادر تھے، بلکہ اس کے ساتھ برابر نرمی کا سلوک کرتے رہے، یہاں تک کہ دو تین سال کے اندر مدینہ میں منافقین کا زور ہمیشہ کے لیے ٹوٹ گیا۔ [تفہیم القرآن]

پیش آیا تھا۔ چونکہ زینب کی شادی ۵ھ کے بالکل اخیر میں یعنی ذی قعدہ یا ذی الحجہ ۵ھ میں ہوئی تھی۔ اور اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ غزوہ شعبان ہی کے مہینے میں پیش آیا تھا، اس لیے یہ ۵ھ کا شعبان نہیں بلکہ ٦ھ ہی کا شعبان ہو سکتا ہے۔ دوسری طرف جو لوگ اس غزوہ کا زمانہ شعبان ۵ھ بتاتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ حدیث افک کے اندر اصحابِ افک کے سلسلے میں سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کے درمیان سخت کلامی کا ذکر موجود ہے۔ اور معلوم ہے کہ سعد بن معاذؓ ۵ھ کے اخیر میں غزوۂ بنو قریظہ کے بعد انتقال کر گئے تھے۔ اس لیے واقعہ افک کے وقت ان کی موجودگی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ واقعہ اور یہ غزوہ ٦ھ میں نہیں بلکہ ۵ھ میں پیش آیا۔

اس کا جواب فریقِ اوّل نے یہ دیا ہے کہ حدیث افک میں سعد بن معاذؓ کا ذکر راوی کا وہم ہے۔ کیوں کہ یہی حدیث عائشہؓ سے ابن اسحاق نے بہ سند زہری عن عبد اللہ بن عتبہ عن عائشہؓ روایت کی ہے تو اس میں سعد بن معاذ کے بجائے اسید بن حضیرؓ کا ذکر ہے۔ چنانچہ امام ابو محمد بن حزم فرماتے ہیں کہ بلاشبہ یہی صحیح ہے۔ اور سعد بن معاذ کا ذکر وہم ہے۔ (دیکھیے: زاد المعاد ۲/۱۱۵)

راقم عرض پرداز ہے کہ گو فریق اول کا استدلال خاصا وزن رکھتا ہے۔ (اور اسی لیے ابتدا میں ہمیں بھی اسی سے اتفاق تھا۔) لیکن غور کیجیے تو معلوم ہو گا کہ اس استدلال کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت زینبؓ کی شادی سنہ ۵ ہجری کے اخیر میں ہوئی تھی، درآنحالیکہ اس پر بعض قرآئن کے سوا کوئی ٹھوس شہادت نہیں ہے۔ جب کہ واقعہ افک میں اور اس کے بعد بھی حضرت سعد بن معاذؓ (متوفی سنہ ۵ ہجری) کی موجودگی متعدد صحیح روایات سے ثابت ہے، جنھیں وہم قرار دینا مشکل ہے۔ اس لیے ایسا کیوں نہیں ہو سکتا کہ حضرت زینبؓ کی شادی سنہ ۵ ہجری کے اوائل میں ہوئی ہو اور واقعہ افک — اور غزوہ بنی المصطلق — شعبان ۵ ہجری میں پیش آیا ہو۔ [رحیق المختوم ۲۴۲-۴۳]

صاحبِ تفہیم القرآن سورہ نور کی شانِ نزول بیان کرتے ہوئے غزوہ بنو المصطلق کی تاریخ کی تحقیق میں لکھتے ہیں۔

واقعہ کیا ہے، اس کی تحقیق اس لیے ضروری ہے کہ پردے کے احکام قرآن مجید کی دو ہی سورتوں میں آئے ہیں، ایک یہ سورت، دوسری سورہ احزاب جس کا نزول بالاتفاق غزوہ احزاب کے موقع پر ہوا ہے۔ اب اگر غزوہ احزاب پہلے ہو تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ پردے کے احکام کی ابتدا ان ہدایات سے ہوئی جو سورہ احزاب میں وارد ہوئی ہیں، اور تکمیل ان احکام سے ہوئی جو اس سورت میں آئے ہیں۔ اور اگر غزوہ بنی المصطلق پہلے ہو تو احکام کی ترتیب الٹ جاتی ہے اور آغاز سورہ نور سے

مان کر تکمیل سورہ احزاب والے احکام پر ماننی پڑتی ہے۔ اس طرح اس حکمت تشریع کا سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے[۳] جو احکام حجاب میں پائی جاتی ہے۔ اسی غرض کے لیے ہم آگے بڑھنے سے پہلے زمانہ نزول کی تحقیق کر لینا ضروری سمجھتے ہیں۔

ابن سعد کا بیان ہے کہ غزوہ بنی المصطلق شعبان ۵ ہجری میں پیش آیا اور پھر ذی القعدہ ۵ ھ میں غزوہ احزاب (یا غزوہ خندق) واقع ہوا۔ اس کی تائید میں سب سے بڑی شہادت یہ ہے کہ واقعہ افک کے سلسلے میں عائشہؓ سے جو روایات مروی ہیں ان میں سے بعض میں سعد بن عبادہؓ اور سعد بن معاذؓ کے جھگڑے کا ذکر آتا ہے، اور تمام معتبر روایات کی رو سے سعد بن معاذؓ کا انتقال غزوہ بن قریظہ میں ہوا تھا جس کا زمانہ واقع غزوہ احزاب کے متصلاً بعد ہے، لہٰذا ۶ ھ میں ان کے موجود ہونے کا کوئی امکان نہیں۔

دوسری طرف محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ غزوہ احزاب شوال ۵ ہجری کا واقعہ ہے اور غزوہ بنی المصطلق شعبان ۶ ھ کا۔ اس کی تائید وہ کثیر التعداد معتبر روایات کرتی ہیں جو اس سلسلہ میں عائشہؓ اور دوسرے لوگوں سے مروی ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ افک سے پہلے احکام حجاب نازل ہو چکے تھے، اور وہ سورہ احزاب میں پائے جاتے ہیں۔ ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت زینبؓ سے نبی ﷺ کا نکاح ہو چکا تھا، اور وہ غزوہ احزاب کے بعد ذی القعدہ ۵ ہجری کا واقعہ ہے اور سورہ احزاب میں اس کا بھی ذکر آتا ہے۔ علاوہ بریں ان روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ زینبؓ کی بہن حمنہؓ بنت جحش نے عائشہؓ پر تہمت لگانے میں محض اس وجہ سے حصہ لیا تھا کہ عائشہؓ ان کی بہن کی سوکن تھیں، اور ظاہر ہے کہ بہن کی سوکن کے خلاف اس طرح کے جذبات پیدا ہونے کے لیے سوکناپے کا رشتہ شروع ہونے کے بعد کچھ نہ کچھ مدت درکار ہوتی ہے۔ یہ سب شہادتیں ابن اسحاق کی روایت کو مضبوط کر دیتی ہیں۔

---

۳ مصنف (کاروانِ نبوت) کے نزدیک ۶ ہجری کے لیے استدلال کا مرکزی نکتہ یہی ہے، یعنی آیات حجاب میں کون سی مقدّم ہیں اور کون سی موخّر، اور یہ فیصلہ کر دیتی ہیں کہ احزاب کی آیات پہلے نازل ہوئی ہیں اور سورہ نور کی بعد میں، اور یہ متفق علیہ ہے کہ سورہ نور غزوہ بنو المصطلق کے بعد نازل ہوئی ہے۔ جب غزوہ احزاب اور بنو قریظہ سے آپؐ بلا کسی اختلافِ رائے ذوالحجہ ۵ ہجری میں فارغ ہوئے ہیں تو غزوہ بنو المصطلق یقیناً ۶ ہجری کے شعبان میں ہوئی ہو گی کہ شعبان میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

اس روایت کو قبول کرنے میں صرف یہ چیز مانع ہوتی ہے کہ واقعہ افک کے زمانے میں سعد بن معاذؓ کی موجودگی کا ذکر آیا ہے۔ مگر اس مشکل کو جو چیز رفع کر دیتی ہے وہ یہ ہے کہ اس واقعہ کے متعلق عائشہؓ سے جو روایات مروی ہیں ان میں سے بعض میں سعد بن معاذؓ کا ذکر ہے اور بعض میں ان کے بجائے اُسَید بن حُضَیرؓ کا۔ اور یہ دوسری روایت ان دوسرے واقعات کے ساتھ پوری طرح مطابق ہو جاتی ہے جو اس سلسلے میں خود عائشہؓ ہی سے مروی ہیں۔ ورنہ محض سعد بن معاذؓ کے زمانہ حیات سے مطابق کرنے کی خاطر اگر غزوہ بنی المصطلق اور قصۂّ افک کو غزوہ احزاب وقریظہ سے پہلے کے واقعات مان لیا جائے تو اس پیچیدگی کا کوئی حل نہیں ملتا کہ پھر آیت حجاب کا نزول اور نکاح زینبؓ کا واقعہ اس سے بھی پہلے پیش آنا چاہیے، حالاں کہ قرآن اور کثیر التعداد روایات صحیحہ، دونوں اس پر شاہد ہیں کہ نکاح زینبؓ اور حکم حجاب احزاب وقریظہ کے بعد کے واقعات ہیں۔ اسی بنا پر ابن حزم اور ابن قیّم اور بعض دوسرے محققین نے محمد بن اسحٰق کی روایت ہی کو صحیح قرار دیا ہے، اور ہم بھی اس روایت کو صحیح سمجھتے ہیں۔

☆☆☆☆☆